دارالعلوم دیوبند
کا
قیام اور اس کا مقصد

دارالعلوم دیوبند کا قیام ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو عمل میں آیا۔ دیوبند کے با اثر حضرات کی ایک جماعت نے جن میں قصبۂ نانوتہ کے ایک بہت بڑے بزرگ عالم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی تھے اس کی ابتدا فرمائی۔ مولانا نانوتویؒ چونکہ دیوبند کے محلہ دیوان میں بیاہے گئے تھے اس لئے ان کی آمدورفت اور اقامت بالخصوص ۱۸۵۷ء کے واقعات کے بعد بہت زیادہ دیوبند میں رہتی تھی۔

دارالعلوم کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے دینی علوم میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے جو رخنہ پڑ گیا تھا اس کو بھرا جائے۔ اس کے ساتھ ملک کی آزادی کے نصب العین کو بھی بنیادی طور پر رکھا گیا تھا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیشہ یہ بات نمایاں رہی ہے کہ انھوں نے اپنی مذہبی تعلیم کے لئے حکومت کے سہارے پر کبھی بھروسہ نہیں کیا۔ علماء بطورِ خود تعلیم دیتے تھے اور متوکلّانہ زندگی گزارتے تھے۔ عام لوگ ان کے اس مخلصانہ جذبہ سے متأثر ہو کر اپنی حیثیت کے مطابق علماء اور طلبہ کی امداد و اعانت کرتے تھے۔ اور یہ امداد و اعانت زیادہ تر اوقاف کی صورت

سے ہوتی تھی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہندوستان کے علماء نے نمایاں طور پر چونکہ حصہ لیا تھا اس لئے تحریک کے ناکام ہوجانے کے بعد انھیں انگریزوں کے شدید انتقام کا شکار ہونا پڑا۔ علماء کے قید وبند میں گرفتار ہوجانے کی وجہ سے مذہبی مدارس کی بساط اُلٹ گئی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے وہ رفقاء و احباب جو کسی نہ کسی طرح اس دار و گیر کے ہنگامہ سے بچ گئے تھے انھوں نے مذہبی تعلیم کے سلسلے کو از سر نو جاری کرنے کی داغ بیل ڈالی۔ اور دیوبند، مراد آباد اور گلاؤٹھی ضلع بلند شہر وغیرہ میں مدارس کھولنے کا پروگرام بنایا۔ دارالعلوم کے قیام پر ایک سال کے تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ مقامی اور ملکی ضرورت کے لئے ابتدائی تعلیم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا ابتدائی تعلیم میں وقت اور حالات کی ضرورت سے اردو و فارسی اور ریاضی کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا۔

رفتہ رفتہ اس کی شہرت بڑھتی گئی اور ملک کے اطراف و جوانب سے جب جوق در جوق طلبہ آنے شروع ہوئے تو چندے کا میدان بھی وسیع تر ہوتا گیا۔ اور آج ایشیاء یورپ اور افریقہ کے متعدد ممالک سے چندہ آرہا ہے۔ سب سے پہلے سال کی آمدنی چارسو روپے تھی۔ جو اب رفتہ رفتہ پانچ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ پہلے سال میں صرف ۸، طلبہ اور دو مدرس تھے۔ اب کم و بیش ڈیڑھ ہزار طلباء ہر سال زیر تعلیم رہتے ہیں۔

اس وقت دارالعلوم میں ختن، قندھار، اکیاب، انڈوچائنا، ملایا، جنوبی افریقہ، برما، نیپال، تبت وغیرہ ممالک کے طلبہ زیر تعلیم ہیں اور ہندوستان کے صوبے مغربی بنگال، آسام، بہار و اڑیسہ، سی۔ پی، مدراس، بمبئی، آندھرا، ریاست ہائے راجستان، دہلی، مشرقی پنجاب اور یو۔ پی کے طلبہ بھی بڑی تعداد میں دارالعلوم میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

بحالتِ موجودہ دارالعلوم کا وسیع نظام ۱۹ مستقل شعبوں میں منقسم ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:-

دفتر محاسبی۔ تنظیم و ترقی۔ تعمیرات۔ اوقاف۔ مطبخ۔ محافظ خانہ۔ دارالاقامہ۔

شعبۂ نشر و اشاعت ۔ شعبۂ تقریر و تحریر ۔ ماہنامہ دارالعلوم ۔ طب و دارالشفاء ۔
صفائی ۔ و روشنی ۔ اور آب رسانی ۔ دارالصنائع ۔ شعبۂ کتابت ۔ کتب خانہ ۔
تبلیغ ۔ دارالافتاء ۔

محاسبی کا تعلق آمد و صرف سے ہے ۔ تنظیم و ترقی کے سفراء ملک میں دورہ کر کے دارالعلوم کے بہی خواہوں سے چندہ وصول کرتے ہیں ۔ مطبخ سے طلباء کے کھانے کا تعلق ہے ۔ طلبہ کی رہائشی اور اقامتی ضروریات کی ذمہ کا کام دارالاقامہ انجام دیتا ہے ۔ "ماہنامہ دارالعلوم" دارالعلوم کا علمی و ادبی آرگن ہے ۔ محافظ خانہ میں تمام ضروری ریکارڈ محفوظ رکھا جاتا ہے ۔ شعبۂ تحریر و تقریر کا کام طلبہ کو تحریر و تقریر کی مشق کرانا ہے ۔ شعبۂ طب میں طب کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ دارالشفاء بیمار طلبہ کے علاج کی خدمات انجام دیتا ہے ۔ دارالصنائع میں طلبہ کو مختلف صنعتیں اور دستکاریاں سکھلائی جاتی ہیں ۔ شعبۂ کتابت خوشخطی و نستعلیق اور لیتھو کی چھپائی کے لئے کتابت سکھلاتا ہے ۔ کتب خانہ میں ہر قسم کے علوم و فنون کی ۷۰ ہزار مطبوعہ اور قلمی کتابیں موجود ہیں ۔ تبلیغ کا کام بیرونی مسلمانوں کو مذہبی مسائل کی تلقین کرنا ہے ۔ دارالافتاء مسلمانوں مذہبی اور قانونی خدمات انجام دیتا ہے اور کم و بیش پانچ چھ ہزار مسائل سالانہ اس کے جوابات کا اوسط ہے ، دارالافتاء میں ملک کے ہر حصے سے سوالات آتے رہتے ہیں ۔ یہ شعبہ اسلام کی روشنی میں ان کے جوابات دیتا ہے ۔

مذکورہ بالا تمام شعبہ جات کا نظم و نسق ادارۂ اہتمام سے وابستہ ہے ۔ ادارۂ اہتمام کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب صاحب ہیں جو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے ہیں ۔

شعبۂ تعلیمات صدر المدرسین حضرت مولانا فخر الدین صاحب کی سرپرستی میں تعلیمی امور انجام دیتا تھا ، مولانا فخر الدین صاحب کا ابھی حال میں انتقال ہوگیا ۔ تعلیم کے تین درجے ہیں : اول (ابتدائی تعلیم) اس کی مدت چار سال ہے جس میں ابتدائی حروف شناسی اور لکھنا ، قرآن شریف پڑھنا ، اس کا حفظ کرنا اور اردو لکھنا پڑھنا ۔ ابتدائی حساب اور اعداد وغیرہ کی تعلیم اور لکھنا ۔ املا (اردو ادب کا پڑھنا اور لکھنا) ۔ فقہ، صفائی کی تعلیم ، کپڑوں

اور بدن کو پاک رکھنا وغیرہ)۔ اخلاق[٦] (رہن سہن اور عبادت کے طریقے) تجوید[٧] (حروف کو مخارج اور صحیح طریق سے پڑھنا وغیرہ عربی طریقہ پر)۔ تاریخ[٨] وسیرت کی ابتدائی تعلیم اور لکھنا۔ حساب[٩] (پہاڑوں اور جمع و تفریق، ضرب تقسیم کسور وغیرہ کی تعلیم اور لکھنا)۔ ابتدائی جغرافیہ[١٠] کی تعلیم اور ان کا لکھنا ہے۔ اس کا کورس مقرر ہے۔

(دوم) ثانوی یعنی وسطانی تعلیم۔ اس کی پانچ سالہ تعلیم ہے، جس میں مندرجۂ ذیل علوم و فنون زیرِ درس ہیں:۔ ہندی[١] حروف اور املاء (جس ہندی حروف اور کلمات کا لکھنا اور پڑھنا)۔ اردو[٢] ادب (اردو ادبیات کا لکھنا اور پڑھنا) فارسی[٣] ادب (زبان فارسی کا سیکھنا اور اس کے لغات اور قواعد اور زبان کا پڑھنا اور لکھنا اور اس کی ادبیات میں مہارت حاصل کرنا اور بولنا)۔ حساب[٤] (حساب کے تمام قواعد اور اقسام کو حفظ کرنا اور لکھنا۔ تاریخ[٥] (تاریخ عمومی اور خصوصی کی تکمیل کرنا) جغرافیہ[٦] (جغرافیہ عمومی اور خصوصی کی تکمیل کرنا)۔ فقہ[٧] (دین اسلامی کے اصول و فروع کی تکمیل)۔ اقلیدس[٨] و مساحت (مساحت کے قواعد اور اقلیدس کے دونوں مقالے یاد کرنا اور مشق کے ساتھ لکھنا)۔ انشاء[٩] (فارسی اور اردو ہندی زبانوں میں مضامین لکھنا اور تقریر کرنا)۔

یہ نو علوم و فنون ہیں جن میں تقریباً تیس کتابیں داخلِ درس ہیں۔

(سوم) اعلیٰ تعلیم۔ اس کی تیرہ سالہ تعلیم ہے جس میں عربی زبان کے مندرجہ ذیل ۲۳ فنون داخلِ درس ہیں:۔

صرف۔ نحو۔ معانی و بیان۔ عروض۔ ادب۔ تاریخ۔ منطق۔ فلسفہ۔ ہندسہ۔
ہیئت۔ تجوید۔ قراءت۔ طبِ یونانی۔ مناظرہ۔ عقائد۔ کلام۔ اصولِ فقہ۔ فقہ۔
فرائض۔ اصول حدیث۔ حدیث۔ اصولِ تفسیر۔ تفسیر۔

یہ فنون ایک سو تیرہ کتابوں پر شامل ہیں۔

دارالعلوم میں تعلیم ملک کی عام زبان اردو میں دی جاتی ہے۔ اس کے بارے میں دارالعلوم کی تعلیم کا ایک خاص انداز ہے۔ اعلیٰ تعلیم کا معیار یونیورسٹی کے مولوی فاضل اور ایم۔ اے کے مساوی ہے بلکہ متعدد حیثیتوں سے یہ معیار یونیورسٹیوں کے اعلیٰ معیار

سے بہت اونچا ہے۔

تعلیم کا مفت انتظام

دارالعلوم میں پڑھنے والے طلبہ کی بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے جو خود اپنے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اس لئے ایسے طلباء کے کھانے اور کپڑے اور علاج وغیرہ کا انتظام دارالعلوم کی جانب سے مفت کیا جاتا ہے۔

طلبہ کے رہنے کے کمرے اور روشنی وغیرہ کا انتظام بھی مفت کیا جاتا ہے۔

اس انتظام کی خوبی سے ایسے لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کا بھی موقع مل جاتا ہے جو تعلیم کے مصارف برداشت کرنے کی اپنے اندر اہلیت نہیں رکھتے۔ دارالعلوم سے اب تک ایسے بیشمار طلبہ تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور ایشیاؔ و افریقہ کے تقریباً ہر ملک میں مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دارالعلوم کا نظم و نسق

دارالعلوم دیوبند کا نظم و نسق شروع ہی سے جمہوری طرز پر جاری ہے۔ اس کی دو ذمہ دارانہ مجالس ہیں (۱) مجلس شوریٰ (۲) مجلس عاملہ۔ اول الذکر کے سال بھر میں دو اجلاس ہوتے ہیں اور مؤخر الذکر کے اجلاس چار ہوتے ہیں۔ دونوں مجلسوں کے فیصلے کثرت رائے سے طے ہوتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے آمد و صرف کا بجٹ مجلس شوریٰ منظور کرتی ہے۔ سال رواں کا بجٹ پانچ لاکھ روپے کا ہے۔

دارالعلوم کا موجودہ اسٹاف ۱۷۳ مدرسین اور کارکنوں پر مشتمل ہے۔

بانیٔ دارالعلوم اور ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی

جنگ ۱۸۵۷ء کے موقعہ پر تھانہ بھون کے رئیس قاضی عنایت علی کے بھائی عبدالرحیم کو کلکٹر نے بلا وجہ پھانسی دے دی۔ اس علاقے میں آگ لگ گئی سب لوگوں نے استخلاص وطن کے لئے ایک منظم جدوجہد کی اسکیم تیار کی اور تھانہ بھون کو تحریک کا مرکز قرار دے کر امام الطائفہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو تحریک کا امام قرار دے کر "شاملی" ضلع مظفرنگر میں انگریزی فوج سے مقابلہ کیا۔ ایک باقاعدہ دستہ سے دست بدست جنگ ہوئی اور علماءِ حق کی بے مثال جرأت اور فقید النظر شجاعت و فراست نے انگریز فوج پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد مظہر نانوتوی اور مولانا محمد منیر نانوتوی نے خوب دادِ شجاعت دی اور اب تک شکست و فتح کا فیصلہ ہونے نہ پایا تھا کہ حضرت حافظ محمد ضامنؒ اسی میدانِ کارزار میں شہید ہو گئے۔ حافظ صاحبؒ کی اچانک شہادت اور قرب و جوار کے ناموافق حالات نے شاملی کے فاتحین کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ (تفصیل کے لئے ہماری کتاب "مولانا محمد احسن نانوتوی" ص۵۳ تا ۵۷ ملاحظہ ہو)

اور جیسا کہ معلوم ہے کہ تحریک ۱۸۵۷ء استخلاص وطن کی جدوجہد تھی۔ سہارنپور میں اس تحریک کے امام حاجی امداد اللہؒ اور ان کے دوسرے شرکاء کار تھے۔ حکومت وقت کے خلاف اس منظم تحریک کے قیام کی پاداش میں علماء حق انگریزی مشینری کے معتوبِ نگاہ بن گئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ کو ہندوستان سے ہجرت کرنا پڑی اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو مظفر نگر کی جیل میں وقت کا ایک حصہ گزارنا پڑا اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کو دیوبند، نانوتہ اور پنجاب کے سنگلاخ علاقوں میں روپوش ہونا پڑا۔

حضرت شیخ الہندؒ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفقاء نے دارالعلوم قائم کر کے استخلاصِ وطن کی تحریک کے تسلسل کو قائم کر دیا اور جیسا کہ معلوم ہے کہ بانی کے تخیلات عمارت کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتے ہیں اور استاذ کے نظریات شاگرد کی ذہنی تربیت میں اثر انداز ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی زیرِ تربیت سب سے بڑی انقلابی شخصیت جو دارالعلوم کے احاطہ میں تیار ہوئی وہ حضرت مولانا محمود الحسنؒ شیخ الہند دیوبندی کی ذاتِ گرامی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اپنے استاذ کے سیاسی نظریات سے پوری طرح متأثر تھے بلکہ موصوف میں آزادئ وطن کا بے پناہ جذبہ مولانا محمد قاسمؒ کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ آپ کی جماعت کے ایک سربرآوردہ رکن مولانا حسین احمد مدنی تحریر فرماتے ہیں کہ

> "مولانا (شیخ الہند) مرحوم کو تعلیم و تربیت کا شرف حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور پھر حضرت مولانا رشید احمد صاحب اور حضرت حاجی امداد صاحب قدس اللہ سرہم سے حاصل تھا۔ سالہا سال ان کی خدمت عالیہ میں انتہائی اخلاص و شغف بلکہ

عاشقانہ جذبات کے ساتھ رہنا ہوا تھا اور ان حضرات کی وہ مکمل ہستیاں تھیں جنھوں نے ۱۸۵۷ء میں علم آزادی بلند کرکے شاملی تھانہ بھون وغیرہ پر سے انگریزی اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ان کے سینوں میں ہمیشہ آزادی اور جہاد کی مبارک آگ سلگتی رہتی تھی۔ اس لئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ میں انگریزی اقتدار کے فنا کر دینے کا جذبہ مستقل طور پر ہونا طبعی امر ہو گیا تھا۔"

(نقش حیات ص۱۲۶)

محولہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا محمود الحسنؒ اپنے امام مولانا قاسمؒ کے آتشین جذبات سے بڑی حد تک متأثر تھے۔

ظاہر ہے کہ مولانا محمود الحسنؒ کے یہ نفرت انگیز جذبات اپنے استاذ و امام کے جذبات و خیالات کے مظہر اتم ہیں۔ خود مولانا مرحوم اپنے امام کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے بےچین اور مضطرب رہتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ کا مقصد دارالعلوم کے قیام سے کیا تھا۔ ایک موقع پر ایک سائل کے جواب میں فرمایا تھا کہ

"مولانا دارالعلوم میرے سامنے قائم ہوا ہے۔ بانی کا مقصد علمی و دینی تربیت کے ساتھ استخلاص وطن کی جد و جہد بھی اسی احاطہ سے بار آور کرنا تھی"

(ماہنامہ "دارالعلوم")

حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے دارالعلوم کے بنیاد و مقاصد میں ایک دفعہ یہ بھی قائم کی تھی کہ "آزادی ضمیر کے ساتھ ہر موقع پر کلمۃ الحق کا اعلاء ہو۔ کوئی سنہری طمع مربیانہ دباؤ یا سرپرستانہ مراعات اس میں حائل نہ ہو سکے" (علماء حق ص۵۴)

حضرت مولانا محمود الحسنؒ نے اپنی پوری زندگی اور تمام جد و جہد میں اسی اصول کو اپنے لئے لائحۂ عمل بنایا۔ بہر حال آپ اپنے امام و استاذ کی تحریک کو بروئے کار لانے کے لئے مناسب وقت اور سازگار ماحول کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۸ء میں آپ نے دارالعلوم کے بعض فضلاء کے ساتھ ایک جماعت "ثمرۃ التربیت" کے نام سے قائم کی۔ ایک عرصہ تک اس جماعت نے کام کیا۔ اس کے بعد ۱۳۲۸ھ میں آپ نے ایک دوسری جماعت

بہرحال شیخ الہندؒ ہندوستان پہنچے تو انھوں نے یہاں کی سیاسی تحریکات میں پوری قوت و طاقت کے ساتھ شرکت کی۔ خلافت کمیٹی کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے ساتھ جمعیۃ العلماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملک کی سیاسی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ اسی دوران میں جب ترکِ موالات کی تجویز پاس ہوئی تو حضرت شیخ الہندؒ نے قوت کے ساتھ اس کی تائید کی۔

مسلم یونیورسٹی کے طلباء جو حضرت کی ترکِ موالات سے متعلق تحریر کو دیکھ کر متأثر ہوئے اور یونیورسٹی کو خیرباد کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔ انھیں کے لئے دہلی میں جامعہ ملیہ کی بنیاد حضرت شیخ الہند کے ہاتھوں رکھی گئی۔ غرضیکہ چودھویں صدی ہجری کا یہ فقید المثال مجاہد ہندوستان کے استخلاص و استقلال کے لئے بے پناہ کوشش کرتا ہوا ۱۳۳۹ھ میں ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

آپ نے تحریکِ انقلاب کو باقی و جاری رکھنے کے لئے جو افراد تیار کئے تھے ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ لیکن ہم ذیل میں مختصراً چند زعماء کا تعارف کراتے ہیں تاکہ امام ولی اللہ الدہلویؒ کی تحریک کا تسلسل جو مرکزِ علوم دارالعلوم کے ذریعہ سے قائم رہا اس کے سمجھنے میں سہولت ہو:۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا سب سے زیادہ مؤثر عنصر اور بے پناہ کارکن

مولانا عُبیداللہ سندھیؒ

کی ذات ہے۔ تحریک انقلاب کے اس پُرجوش داعی و علمبردار کے تعارف کے لئے ہم نقشِ حیات سے چند سطریں پیش کرتے ہیں۔

حضرت مولانا مدنیؒ لکھتے ہیں کہ

"مولانا عبیداللہ صاحبؒ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خاص فدائی اور نو مسلم شاگرد تھے عرصۂ دراز تک خدمت میں رہے تھے۔ سمجھ اور حافظہ نہایت اعلیٰ پیمانہ کا اور ہمت و استقلال بے نظیر قدرت نے عطا فرمائی تھی۔" ص۱۳۸

مولانا سندھیؒ کی شخصیت ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ایک محیر العقول اور نادرہ

روزگار رہے۔ ان جیسے متحرک، باعمل، مدبّر و مفکّر صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو اپنی تحریک کا ایک اہم عنصر قرار دے کر کابل روانہ کر دیا تھا۔ مولانا کابل پہنچے تو وہاں ایک عرصہ تک آزادئ وطن کے لئے کام کرتے رہے۔ انھوں نے راجہ مہندر پرتاب سے راہ رسم پیدا کی اور ان کو غلط راستہ سے ہٹا کر سیدھے راستہ پر لگا دیا۔ کابل میں انڈین نیشنل کانگریس قائم کر کے ہندوستان کے آزادی پسند گروہ کو یکجا کیا اور تمام طاقت سمیٹ کر آزادئ ہند کے لئے ایک منظم تحریک کی بنیاد ڈال دی۔

۲
مولانا محمد میاں انصاری

نقش حیات میں ہے کہ

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے مشن کا ممبر بنایا اور اسکیم میں شریک کر لیا۔ نہایت مستقل مزاج، ذکی الطبع، رازدار اور قابلِ اعتماد تھے۔ انھوں نے مشن کے کاموں کو نہایت رازداری سے انجام دیا۔" ص۱۸۱

مولانا محمد میاں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مکہ معظمہ گئے تھے۔ پھر وہاں سے اپنے امام کے حکم مطابق تحریک سے متعلق بعض خفیہ تحریروں کو لے کر ہندوستان آئے انگریزنے گرفتار کرنے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن مولاناؒ محفوظ رہتے ہوئے ۱۹۱۴ء میں افغانستان پہنچ گئے۔

تحریکِ انقلاب کی تیسری طاقتور شخصیت

۳
مولانا حسین احمد مدنیؒ

کی ہے۔ شیخ الہندؒ کے مخلص جاں نثار، ریشمی خطوط کی تحریک کے رازدار، اسارتِ مالٹا کے زمانہ میں یار و وفادار، ہندوستان کی سیاسی تحریکات میں ایک جاں باز سپاہی مولانا حسین احمد مدنیؒ ہیں۔

۱۳۳۰ھ میں تحریکِ انقلاب میں شریک ہوئے اور نصف صدی تک استخلاص وطن کے لئے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔ ہندوستان کی ادھر پچاس سالہ سیاست میں کوئی ایسا نشیب و فراز نہیں جس میں مولانا مدنیؒ پیش پیش نظر نہ آتے ہوں تحریکِ

آزادیٔ وطن کی جدوجہد کا کوئی رُخ ایسا نہیں جس میں یہ مجاہد آگے نہ ہو۔ متعدد بار قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تمام عُمر کانگریس کے جھنڈے تلے گزار دی۔

افادات وملفوظات
حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ
مرتبہ
محمد سرور
سابق استاد جامعہ ملیہ دہلی
۵۱۲ صفحات
سفید کاغذ۔ آفسٹ طباعت
قیمت -/18 روپے
سندھ ساگر اکادمی لاہور
چوک مینار
انار کلی

جاننا چاہیے کہ بِر یعنی نیکیوں کی تمام اقسام میں اعظم ترین نیکی یہ ہے کہ صفات الٰہیہ پر ایمان لایا جائے اور خدا کو ان صفات الٰہیہ سے متصف مانا جائے۔ اور ان پر کامل اعتقاد رکھا جائے۔ یہ ایمان اور اعتقاد بندے اور خدا کے درمیان ایک عظیم الشان دروازہ مفتوح کردیتا ہے اور بندے کے اندر اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کے انکشاف کی استعداد پیدا کردیتا ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ)

محمد سخاوت مرزا قادری

قدوۃ العارفین، زبدۃ الکاملین

شیخ محمدؒ ملتانی

قدّس سرّہ

حضرت شیخ محمد ملتانی الملقب بہ شمس الدین، ابوالفتح کنیت، ابن شیخ ابراہیم ملتانی کے اجداد غور کے رہنے والے تھے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ سلاطینِ غوریہ کی اولاد میں تھے۔ بقول مشہور مؤرخ قادر خاں بیدری

> "نسب سلاطین غوریہ بہ چہل و دو واسطہ بہ ضحاک تازی کہ برادر زادہ عاد ابن ارم بن سام[1] بن حضرت نوح علیہ السلام منتہی می شود۔ تفصیل ایں اجمال در نسب نامہ حضرت شیخ محمد ملتانی صاحب قدس سرہٗ مشرحاً بقلم آمدہ الخ

افسوس ہے کہ نسب نامہ مذکور نظر سے نہیں گزرا جو الشاذ کالمعدوم ہے۔ مگر شجرۂ خاندانی مملوکہ شاہ اسمٰعیل قادری مدرس بیدر (محمد آباد) دکن۔ جو ہم کو دیا تھا اُس میں سلطان شہاب الدین غوری کو ارفخشد بن سام بن نوحؑ لکھا ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ[2]

---

[1] سام بن نوحؑ: منجھلے صاحبزادے۔ اہلِ عرب اسی نسل سے ہیں جلال الدین سیوطی۔ طبقات ابن سعد۔ تاریخ ابن عساکر وغیرہ

[2] ارفخشد بن سام۔ جنھوں نے سام کے بعد اعلاء کلمۃ اللہ کا عظیم کارنامہ انجام دیا اپنے جدامجد حضرتِ نوحؑ کو دیکھا تھا۔ (تاریخ مصر) اور نوحؑ نے دعا دی تھی کہ تمہاری اولاد مُلک و نبوت کی مالک ہوگی۔

کے دو صاحبزادے تھے ایک تو ربیعہ[1] دوسرے مُضَر - آخر الذکر اولاد میں حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم تھے ۔ اور اول الذکر کی اولاد میں حضرت ملتانی بادشاہ قدس سرّہٗ - چنانچہ آپ کے والد ماجد شیخ ابراہیم ملتانی اپنے نام کے ساتھ ربیعی اسمٰعیلی[2] لکھا کرتے تھے - اس لحاظ سے قادر خان مُؤرّخ کا بیان غلط ہو جاتا ہے کہ آپ سلطان شہاب الدین غوری کی اولاد سے تھے -

والد ماجد

مولانا شمس الدین مؤلف معدن الجواہر آپ کے والد ماجد شیخ ابراہیم کے متعلق اس طرح رقم طراز ہیں :

"وھو ابن قاضی القضاۃ القاضی ابراھیم بن شیخ الاسلام الشیخ فتح اللہ الشریف القادری الغوری الملتانی کان اللہ لھم"

جدِّ امجد شیخ فتح اللہ غور سے ملتان اور وہاں سے بیدر تشریف لائے - مگر بوجہ ضعیف العمری کچھ عرصہ کے بعد ہی وفات پائی - شیخ ابراہیم کا مولد مُلتان ہے جو بلحاظ علم و فضل اور عِلمِ باطن یگانۂ روزگار، نہایت متشرع اور باکمال بزرگ تھے - آپ نے سُلطان علاؤالدین ثانی بہمنی (۸۳۸ تا ۸۶۲ھ) ابن سلطان احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ تا ۸۳۸ھ) سے ملاقات کی کوشش کی - سلطان کے ایک مقرب عالم رشید حریر نامی نے آپ کو سُلطان سے ملانے کا وعدہ کیا مگر آپ کے تبحُّر کے مدنظر کہ کہیں میں بادشاہ کی نظر سے نہ گر جاؤں، گریز کیا - حسنِ اتفاق سے جُمعہ کے روز جامع مسجد میں سلطان سے ملاقات ہوگئی اور آپ نے اپنی ایک بلند پایہ تصنیف جو چودہ علوم پر حاوی تھی اور اس کو سلطان کے نام سے معنون کرکے "علائی" سے موسوم فرمایا تھا نذر گزرانی، جس کو آپ کے تبحُّرِ علم نے مسحور کر دیا اور فرمایا کہ آئندہ خطبۂ جُمعہ

---

[1] ربیعہ (ربیع) بنو عدنان از اولاد حضرت اسمٰعیلؑ -

[2] مخزن الکرامات ترجمہ اردو معدن الجواہر مؤلفہ شیخ عبدالقادر از احفاد شیخ محمد ملتانی صاحبؒ زیرِ تذکرہ (مترجمہ محمد کریم الدین بیدری مطبوعہ ۱۳۴۷ھ حیدرآباد دکن)

[3] مخزن الکرامات صفحہ ۶۸ تا ۷۲